

# امام حسن(ع) کی صلح اور امام حسین (ع) کے قیام کا فلسفہ

<?xml encoding="UTF-8">

حضرات ائمہ اطہار کی سیرت اور عملی زندگی میں بہت زیادہ مشترکات نظر آتے ہیں اور یہ ایک مسلم بات ہے ۔

بقول اقبال

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری  
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اس اشتراکِ فکر و عمل کی اصل وجہ یہ ہے کہ ائمہ معصومین ؑ اور انبیاء الہی کا مقصد اور اصول ایک ہے ؛ جیسا کہ امام خمینی کا ارشاد ہے کہ اگر سارے انبیائے عظام ایک وقت میں ایک ہی مقام پر موجود ہوتے تب بھی ان کے درمیان ذرہ برابر اختلاف نہ پایا جاتا۔ کیونکہ اگر کہیں بھی انسانوں کے درمیان کوئی اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کے چند عوامل ضرور ہوتے ہیں مثلاً:

الف: ان افراد کا ہدف اور نصب العین ایک نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک کا مقصد اپنے ذاتی مفادات کا تحفظ ہوتا ، لہذا ان کے درمیان اختلاف ہوجاتا ہے ،اس حقیقت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک مسافر مشرق جانے والا ہو اور دوسرا مغرب جانے والا ہو تو یہ دونوں ہمسفر نہیں ہوسکتے اور ایک گاڑی میں دونوں ایک ساتھ سوار نہیں ہوسکتے۔

ب: اختلاف کا دوسرا عامل، افراد کے طریقہ ء کار کا اختلاف ہوتا ہے ،مثلاً دین کی خدمت کرنا سب کا ہدف ہوتا ہے لیکن اس ہدف کے حصول کے لئے ایک شخص سیاست یا جہاد کا راستہ اپناتا ہے اور دوسرا شخص علمی اور فلاحی خدمات فراہمی کے ذریعے اس ہدف تک پہنچنا چاہتا ہے ، البتہ اس طرح کے اختلاف کی بھی دو وجوہات ہوتی ہیں:

۱۔ بعض اوقات متعدد راستے اپنانے کا سبب تقسیم کار ہوتا ہے ، مثلاً کے طور پر ایک شخص تعلیم و تربیت کا شعبہ سنبھال لیتا ہے تو دوسرا عسکری شعبہ اپنالیتا ہے ، لےکن دونوں کا ہدف ایک ہی ہوتا ہے اور دونوں ایک ہی نظام کے اجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں ، لہذا ایسے افراد کے درمیان تعاون کی فضا پائی جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے کام کی تکمیل کرتے ہیں۔

۲۔ بعض اوقات ان افراد میں اختلاف کا سبب تقسیم کار نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے ہر ایک ، اپنی روش کو برحق

اورد وسرے کی روش کو باطل تصور کرتا ہے ۔ مثال کے طور پر کلمہ حق کے اعلاء کے لئے ایک فرد تبلیغ کو صحیح روش اور جہاد و سیاست کو غلط روش خیال کرتا ہے جبکہ دوسرا فرد برعکس نقطہ نظر کا مالک ہوتا ہے ۔ ایسے افراد کی مثال ان تارجوکی سی ہوتی ہے کہ جو ایک دوسرے کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب اگر افراد کے درمیان اختلاف کی نوعیت پہلی قسم کی ہوتو معاشرے کا ڈاکٹر ، استاد، وکیل اور تاجروغیرہ وغیرہ، سیاستدانوں کی مدد کریں گے اور سیاستدان ان کی کی ، لے کن اگر اختلاف کی نوعیت دوسری قسم کی ہو تو اس صورت میں ہر فرد دوسرے کو غلط قرار دے کر اسے کمزور کرنے کی کوشش کرے گا اور یوں پہلی قسم کا اختلاف اتحاد اور ہمکاری کا سبب بنتا ہے اور دوسری قسم کا اختلاف افتراق اور اختلاف و نزاع کا عامل بنتا ہے۔

ج: اختلاف کا تیسرا سبب، وسائل اور ذرائع کا فرق ہوتا ہے ۔ مثلاً دوستوں اور حامیوں کی وفاداری، تعداد، صلاحیت، مالی ذرائع، اسلحہ اور بارود اور دشمنوں کی کمیت و کیفیت و حکمت عملی، حالات اور اوضاع زمانہ، معاشرہ کا باشعور ہونا یا نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام حسین - کو بہتر ایسے ساتھی ملے جنہوں نے کربلا کی اس قربانی کو اتنی عظمت بخشی ، لے کن امام حسین - کے ساتھی ایسے تھے کہ آپ کو دست بستہ دشمن کے حوالے کرنے کا سوچ رہے تھے۔ حضرت امام حسین - کا دشمن ایک ناپختہ اور خود خواہ حکمران تھا لے کن حضرت امام حسن - کے مد مقابل ایک انتہائی مکار سیاستدان تھا۔ اختلاف کے ان تین عوامل میں سے حضرت امام حسن (ع) اور امام حسین کے درمیان یقیناً پہلے دو عامل، باعث اختلاف نہیں ہوسکتے تھے۔ کیونکہ حضرت امام حسین - کا مقصد اور نصب العین رضائے الہی اور بس ”رضی اللہ رضانا اہل البیت“ تھا اور حضرت امام حسن - کا مقصد اور نصب العین بھی یہی تھا۔ اب حضرت امام حسن (ع) اور امام حسین کے درمیان اختلاف ، منزل تک پہنچنے کے لئے طریقہ کار کا باہمی اختلاف بھی نہیں ہوسکتا ، کیونکہ آپ دونوں امام ہیں اور اپنی مسئولیت امامت کو معصومانہ صلاحیتوں کے ساتھ سرانجام دیا کرتے ہیں ؛ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: ”الحسن و الحسین امامان قاما او قعدا“۔

اسی بنا پر حضرت امام حسن (ع) اور امام حسین + کے درمیان اختلاف کا واحد سبب، وسائل، حالات، مد مقابل کی حیثیت اور دوست و دشمن کا اختلاف ہی ہوسکتا ہے ۔ حالات اور وسائل کے اسی اختلاف ہی کی وجہ سے نہ فقط حضرت امام حسن (ع) اور امام حسین کے درمیان صلح و جنگ کی صورت میں اختلاف نظر آتا ہے کہ حضرت امام حسن - حکومت دے دیتے ہیں اور حضرت امام حسین - جنگ کا راستہ اختیار کرتے ہیں بلکہ حضرت امام رضا - بھی ولایت عہدی قبول فرماتے ہیں۔

بلکہ کردار اور انتخاب کا یہ اختلاف تو خود ایک ہی معصوم کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے ۔ مثال کے طور پر حضور اکرم نے ۱۵ سال تک صبر و تحمل سے کام لیا اور آٹھ سالوں تک سکوت اختیار کیا اور پانچ سال میں تین عظیم جنگیں لڑیں، حضرت امام حسن - نے ابتدا میں جنگ کا راستہ اختیار کیا لے کن آخر میں صلح کر لی اور حضرت امام حسین - نے ابتدا میں صلح کا راستہ اختیار کیا لے کن آخر میں جنگ لڑنا پسند فرمایا۔ پس اس لئے تو راہبر انقلابی اسلامی ایران، فرماتے ہیں: یہ معصومین چودہ کے بجائے اگر صرف ایک شخص ہوتا جس کی اتنی عمر لمبی ہوتی جتنی چودہ معصوم کی ہے تو جو اقدامات وقت کے تقاضوں کے مطابق ان ہستیوں نے انجام دیئے وہی ایک ہستی بھی یہ سب اقدامات ہو بہو انجام دیتی۔

اسی وجہ سے ان دو اماموں کی سیاست اور حکمت عملی میں فرق اور اختلاف کے اسباب اور عوامل کے جاننے کے لئے ہمیں معاویہ اور یزید کے درمیان کا فرق، آپ کے دوستوں اور دشمنوں اور عام مسلمانوں کے حالات کا

بغور مطالعہ کرنا ہوگا جیسا کہ خود نبی اکرم اور حضرت علی - کے درمیان اسی وجہ سے حکمت عملی میں فرق نظر آتا ہے ،اب ہم ذیل میں معصومین % کے درمیان اختلاف کے حوالے سے ایسے ہی عوامل کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

## نفاق اور کفر کا فرق

اگرچہ حدیث نبوی کے مطابق منافق کا فر سے بھی زیادہ امت مسلمہ کے لئے خطر ناک ہے لے کن زمانے اور معاشرے کے حوالے سے نفاق کا خطرہ کفر کی نسبت کمتر ہوتا ہے ،کیونکہ منافقت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا بول بالا ہے اور منافق اپنے کفر کا اعلان بھی نہیں کرتا ہے ،جبکہ اظہار کفر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اتنے بے ضمیر اور بے حس ہوچکے ہیں کہ کفر و اسلام کے درمیان ان کے لئے کوئی فرق نہیں رہا۔

بنی امیہ نے جوکہ دشمن اسلام اور دشمن پیغمبر تھے ،اسلام کو نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لے کن ہمیشہ ناکام رہے ،مشرکین مکہ اور حضور کے درمیان ہونے والی تمام جنگوں میں قیادت کنرے والے یا بنیاد کردار ادا کرنے والے اسی قبیلہ کے بزرگان تھے ،لے کن جب فتح مکہ کا موقع آیا تو لشکر اسلام کی طاقت اور عظمت کو جب اس خاندان نے دے کھا تو انہیں پتہ چل گیا کہ کفر کا علمبردار بن کر کامیابی کا حصول ممکن نہیں ہے ،تو انہوں نے اندرونی کفر اور بیرونی اسلام (جس کو قرآن نفاق سے تعبیر کرتا ہے) کی روش کو اپنایا۔ چنانچہ حضرت علی - فرماتے ہیں کہ اس خاندان کے سردار نے دین کو ترک کیا اور یہ اسلام کی بساط کو ایسا الٹا کریں گے جس طرح پوستین کو الٹا کیا جاتا ہے ۔

(نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۸)

حضرت عمار یاسر فرماتے ہیں : ” استسلمو ولم یسلموا “ (حماسہ حسینی: شہید مطہری ) کہ انہوں نے ہتھیار ڈالا ہے مسلمان نہیں ہوئے ہیں۔ پھر ابوسفیان کا حضرت حمزہ کی قبر جاکر یہ کہنا کہ حمزہ! بادشاہت کے جس درخت کی تم اپنے خون سے آبیاری کی تھی وہ اب ہمارے بچوں کے ہاتھوں کھلونا بناہوا ہے ۔ پھر حضرت قیس بن سعد بن عبادہ اور معاویہ کے درمیان تبادلہ ہونے والے خطوط کے مضامین اور مغیرہ بن شعبہ کی معرفت روایت (مسعودی) جس میں امیر شام نے کہا تھا کہ جب تک نام محمد کو دفن نہ کروں ،سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔ تو اس قسم کے دسیوں واقعات ، تاریخ اسلام کی کتابوں میں مرقوم ہیں حالانکہ بنی امیہ کے زور شمشیر اور مذہبی تعصب کی وجہ سے اس قسم کی دسیوں تاریخی دستاویزات غائب بھی ہوچکی ہیں۔ جیسا کہ تاریخ میں کئی مثالیں موجود ہیںخلاصہ یہ ہے کہ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اسلام کو نابود کرنا چاہتے تھے؛ کیونکہ اسلامی اصول نہ فقط ان کے خاندانی ارو حکومتی مفادات کے منافی تھے بلکہ یہ لوگ خاندانی طور پر بھی اسلام ارو حضرت محمد اور آل محمد کے دشمن تھے۔ لہذا وہ منتظر تھے کہ ایک ایسا دن آئے کہ مسلمان اعلان کفر کو بھی برداشت کرلیں اور ساتھ ان کی بادشاہت بھی باقی رہے۔ لہذا تاریخ بتاتی ہے کہ معاویہ خلیفہ کھلانے کے بجائے بادشاہ کے لقب سے زیادہ خوش ہوتا تھا (تاریخ خلفاء، رسول جعفریان) لے کن معاویہ اپنے دور میں کسی ایسے اظہار کی جرأت نہیں رکھتا تھا لہذا جو بھی ناجائز اعمال اس نے انجام دیئے اس کے لئے دین کا سہار لیا؛ یہاں تک کہ جب حضرت علی - کو وہ سب کرتا تھا تو پہلے کہتا تھا خدایا تو گ واہ رہنا کہ علی (ع) نے تیرے دین کو ترک کیا ہے یا اس میں بدعت ایجاد کی ہے ، لے کن یزید نے کفر کے الفاظ

و علی الاعلان زبان پر جاری کیا (جیسا کہ اس حوالے سے یزید کے اشعار معروف ہیں، معالم المدرستین، علامہ عسکری) اور اس لئے تو مدینہ میں جب مروان نے حضرت امام حسین - سے مطالبہ کیا تو آپ یزید کی بیعت کریں تو امام نے فرمایا: ”علی الاسلام السلام اذ بلیت الامة براع مثل یزید“ یعنی یزید کی حکومت، اسلامی کی نابودی اور اعلان کفر کے مترادف ہے۔

یہاں ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال اٹھے کہ خدا نے خود اسلام کی حفاظت کی ضمانت دی ہے تو پھر حضرت امام حسین - نے اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لیا؟ تو جواب یہ ہے کہ خدوند تبارک تعالیٰ نے انہی اہل بیت اطہار اور قرآن ہی کے ذریعے تو اسلام کی حفاظت کی ضمانت فراہم کی ہے جیسا کہ جناب پیغمبر اسلام نے فرمایا: ”انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیٹی ان تمسکتہم بہما لن تظلو بعدی ابدًا“ یعنی (میں تمہارے درمیان دو گراں چیزیں چھوڑے جارہا ہوں؛ ایک اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب ہے اور دوسرے میرے عترت، میرے اہل بیت % ہیں؛ کہ جب تک میرے بعد ان دونوں کا دامن تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔) اسی طرح حدیث سفینہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کربلا جیسی قربانیوں ہی کے ذریعے (جن کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں) خدادین کی حفاظت کرتا ہے۔ لہذا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت امام حسین - کے لئے اعلان کفر کے بعد خاموشی اختیار کرنا، ناممکن تھا۔ کیونکہ اسلام کی حفاظت آپ کی اور ہر مسلمان کی ذمہ داری تھی۔ اسی لئے تو جناب شہزادی نے دربار یزید میں اپنے خطاب فرمایا: فواللہ لا تمحوذکرنا و لاتمیت و حینا“ یعنی اے یزید! تمہارا مقصد ہماری وحی (اسلام) کی نابودی اور محافظ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانا ہے لے کن قسم بخدا یہ بات تمہارے بس میں نہیں ہے۔

## گناہوں میں فرق

یزید کی حکومت سے پہلے اگر کبھی حکمران گناہ کرتے تھے تو اسے یا تو دوسروں کی ناگاہوں سے چھپ کر انجام دیتے تھے یا اس گناہ کے انجام دینے کے جواز کے طور بعض جعلی احادیث کا سہارا لے کر پہلے اس گناہ کو شرعی طور پر جائز قرار دیتے تھے اور بعد میں اس کا ارتکاب کرتے تھے اور ان میں گناہ کو کھلے عام گناہ کے عنوان سے انجام دینے کی جرأت نہ تھی۔ اسی لئے تو امیر شام، یزید سے کہتا تھا: ”بیٹا! شراب تو بہت سے لوگ پیتے ہیں لے کن وہ چھپ کر ایسا کرتے ہیں۔ تم بھی ایسا ہی کیا کرو“، یعنی شراب چھپ کر پیا کرو۔ (معالم المدرستین) لے کن یزید علی الاعلان گناہ کا ارتکاب کرتا تھا اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس کی پرورش بھی ایک غیر اسلامی ماحول میں ہوئی تھی۔ جیسا کہ دربار ولید میں حضرت امام حسین - اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”یزید رجل فاجر معلن بالفسق و مثلی لا یبایع مثله“ (یعنی یزید ایک فاجر انسان ہے جو کھلے بندوں گناہ کرتا ہے اور مجھ جیسا یزید کی بیعت نہیں کر سکتا) اسی طرح جب معاویہ یزید کی خلافت کی راہ ہموار کرنے کے لئے اور اس کی بیعت لینے کے لئے مدینہ آیا تو امام عالی مقام اور عبد الرحمن ابن ابی بکر، دونوں کا جواب ایسا ہی تھا کہ یزید اعلانیہ طور گناہ کرتا ہے اور امیر شام نے بھی اس بات سے انکار نہیں کیا اور نہیں کہا کہ نہیں وہ نیک آدمی ہے اور ایسے گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ حقیقت سب پر عیاں تھی؛ لہذا زیاد ابن ابیہ جیسا شقی انسان بھی معاویہ سے کہتا ہے کہ یزید کے لئے لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کرنے سے قبل، اسے کہہ دیں کہ کم از کم ایک دو سال تک تو مہذب طریقے سے زندگی گزار لے۔

اسی وجہ سے دین اسلام میں گناہ اعلانیہ او رمخفی گناہ میں فرق ہے جہاں ایک انسان کے دسیوں مخفی گناہ معاف کردیئے جائیں گے وہاں شاید اس کا فقط ایک اعلانیہ گناہ بھی معاف نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ مخفی گناہ کرتے وقت صرف انسان اپنے اوپر ظلم کرتا ہے ،لے کن معاشرے کو اس کے گناہ سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ وہ شخص اپنے عمل کے ذریعے معاشرہ کو گناہ کی دعوت دیتا ہے ،لے کن جب ایک انسان اعلانیہ طور پر گناہ انجام دیتا ہے تو دراصل وہ اپنے س عمل کے ذریعے گناہ کی قباحت اور برائی کو ختم کردیتا ہے اور شریعت کی توہین کا مرتکب ہوجاتا ہے ،پس ایک طرف تو اعلانیہ اور مخفی گناہ میں فرق ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اہم شخصیتوں کے گناہ اور معمولی افراد کے گناہ میں بھی کافی فرق ہے ۔ جیسا کہ ایک عرب شاعر کہتا ہے :

اذ كان رب البيت بالدف مولعا

فشيمة اهل بيت الرقص

یعنی اگر کسی خاندان کا بزرگ ڈھول بجانے والا ہو تو اس گھر کے باقی افراد بھی رقص کرنے لگیں گے۔ جب مسلمانوں کا حاکم ، اسلام کے احکام کا عملی مذاق اڑایا ہو تو عوام کی کیا حالت ہوگی؟ جب ایک ایسا شخص کہ جس کی ذمہ داری الہی حدود کا اجراء ہے ، خود شرابی ہو تو شراب کی حد کون جاری کرے گا؟ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن عالم کے ایک گناہ معاف ہوجانے سے پہلے جاہل کے ستر گناہ معاف ہوچکے ہوں گے اور برعکس اگر کوئی نیک ہے تو اس کی نیند اور آرام بھی جاہل کی عبادت سے بہتر ہے ،کیونکہ اہم شخصیات کے نیک یا برے اعمال کا معاشرے پر پڑنے والا اثر انتہائی زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے حضور اکرم نے فرمایا: ” الناس علی دین ملوکہم“ (یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جہنمیوں کی بانی یہ بات نقل کرتا ہے کہ وہ لوگ بروز قیامت کہیں گے ”خدا یا! ان سرداروں اور بزرگوں نے ہمیں گناہ پر اکسایا پس ان کو دگنے عذاب مبتلا کردے۔“

اب ان حقائق کی روشنی میں غور فرمائیے کہ اگر یزید اقتدار پر قابض رہتا اور لوگ اسے خلیفۃ المسلمین اور جانشین رسول کے طور قبول کر لیتے تو کیا اسلام پر عمل کرنے والا کوئی باقی رہ جاتا ؟ اور یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ وہ دین جس پر عمل نہ ہو پائے وہ زندہ دین نہیں کہلاتا۔ زندہ دین وہ ہوتا ہے جو لوگوں کی عملی زندگی میں نظر آئے ورنہ ایسا دین جس پر عملی انجام نہ پائے اور وہ دین فقط نبی اکرم کے ذریعے لوگوں تک نہ پہنچ پائے یا صرف لوح محفوظ پر باقی رہے تو ان دونوں میں کیا فرق ہے ،ا سی لئے تو قرآن مجید ہر مقام پر ایمان اور عمل صالح باہم دونوں کو باعث نجات قرار دیتا ہے ۔

سورہ مبارکہ ”العصر“ ، اس حقیقت پر گواہ ہے۔ لہذا اب تک کی بات کا خلاصہ یہ ہوا کہ یزید سے پہلے کے حکمران اگر چہ گناہ تو کرتے تھے لے کن مخفی طور یا گناہ کا شرعی جواز ڈھونڈ کر ؛ لے کن یزید علی الاعلان گناہ کرتا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے پہلے کے حکمرانوں کے خلاف اتنے شدید رد عمل کی ضرورت نہ تھی جتنی اس کے خلاف ضرورت تھی ۔ کیونکہ اس کے ان گناہوں پر خاموشی، اس کی تائید سمجھی جاتی ۔ لہذا حضرت امام حسین - پر یزید کے خلاف قیام، ضروری ہو گیا تھا ، البتہ ہمارے موجودہ زمانے میں بھی مسلمانوں کا یہی حال ہے اور اس دور کے مسلمانوں کو بھی کم از کم سوچنا چاہئے کہ کہیں وہ یزید وقت کی بیعت میں تو نہیں ہیں؟

## ایک طرف شک و شبہ ، دوسری طرف مرددہ ضمیری

تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ حضور اکرم کی وفات سے لے کر حضرت علی (ع) کو خلافت ملنے تک ، کسی بھی حکمران نے نہ فقط آل محمد کو تنہا کردینے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی ، بلکہ امیر شام کو بھی مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی سیاست پر عمل پیرا رہے ۔ اسی لئے رسول خدا کی امت ، اہل بیت اطہار علیہم السلام کے مقام سے بے خبر رہی اور حضرت علی - ارو معاویہ کی جنگ کو حق و باطل کے بجائے قبیلہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان چلی آئی والی دشمن کی ایک کڑی تصور کرنے لگی اور معاویہ کی سازشوں کے ذریعے حضرت علی تو نعوذ باللہ ، بے نمازی ، لے کن امیر شام کا تب وحی بن گئے ! حضرت علی قاتل عثمان اور ظالم ٹھہرے اور معاویہ خواصخواہ میں خون عثمان کا طلبگار اور حق بجانب قرار پایا۔

اب اس دور میں جنگ ، مشکل کا حل نہ تھا ؛ کیونکہ جنگ میں زیادہ طاقت رکھنے والا غالب آتا ہے چاہے حق پر ہو یا باطل پر۔ لے کن حضرات ائمہ % تو محافظ اسلام ہیں لہذا انہیں اگر حکومت کرنے میں اسلام و مسلمین کو خطرہ نظر آئے تو اسے چھوڑ دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں کیونکہ حکومت کرنا تو ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے اور دین و ایمان کا بچانا ہدف ہے ، اب اگر ذریعہ اور وسیلہ ہدف کو نقصان پہنچائے تو پھر وہ وسیلہ نہیں بلکہ مانع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حکومت مقصد میں مانع بن جائے تو حضرت امام علی - کو بے نمازی اور مستحق لعن و طعن مانتے تھے یا وہ لوگ جو شک و شبہ میں مبتلا تھے ، خود انہیں موقعہ دیا جاتا کہ وہ اپنی نگاہوں سے بنی امیہ کی حقیقت اور ان کی حقیقی تصویر کو حکومت کے آئینہ میں وہ خود دیکھ لیں اور وہ خود فیصلہ کریں کہ حق کہاں اور باطل کہاں۔ یعنی اگر حکومت سے دستبردار ہونے سے اگر چہ حکومت چلی جاتی ہے لے کن لوگوں کا ایمان محفوظ رہ سکتا ہے اور اہل بیت % کی معرفت بہتر ہوسکتی ہے اور لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت علی او معاویہ کے درمیان جنگ ، اقتدار کی جنگ نہیں بلکہ اسلامی بقاء یا نابودی کی جنگ ہے تو اہل بیت % یہ قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔

پس حضرت امام علی - اور حضرت امام حسن - کے زمانے کے مسلمان کے ایک شک و تردید میں مبتلا تھے ۔ جس سے انہیں نکالنے کے لئے وقت ملنا چاہئے تھا کہ اگر معاویہ کے ساتھ جنگ میں امام جیت بھی جاتے تب بھی یہ شک و شبہ باقی رہ جاتا ۔ لے کن جیسا کہ خود حضرت امام حسن - نے بھی بتایا اور تاریخی شواہد اور قرائن بھی بتا رہے تھے کہ جیت معاویہ کی ہوگی ، بلکہ حضرت امام علی (ع) نے اس اموی جیت کی خبر بھی دے دی تھی او رآپ (ع) نے فرمایا تھا: " انی لاطن ان ہولاء القوم سیغلبوون علیکم ... " کہ شام والے جیت جائے گے اور ان کے غلبہ کی وجوہات بھی آپ نے بیان کی جو کہ نہج البلاغہ میں مذکور ہیں۔

اور جب صلح کے بعد امیر شام کو فہ پہنچا تو اس نے واشگاف لفظوں میں یہ اعلان کیا کہ اس جنگ کا مقصد معاشرہ میں احیاء نماز ، روزہ ، زکات اور حج وغیرہ نہیں تھا بلکہ مقصد حکومت کا حصول تھا جو حاصل ہو گیا یعنی اس نے خود لوگوں کے شکوک کو دور کر دیا او راس کے بعد کے اعمال نے مزید حقیقت کو آشکار کر دیا اب اس صورت میں حضرت امام حسن - کا جنگ لڑنا اور صلح نہ کرنا کیا نتیجہ دے سکتا تھا؟ اگر جنگ ہوتی او رامام کو شکست ہوتی تو معاویہ جیسا بے وقوف نہ تھا۔ جیسا کہ اس نے یزید کو اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ اگر حسین - قیام کرے تو تم اسے قتل مت کرنا چونکہ وہ فرزند رسول خدا ہیں۔ یہ لوگ پختہ سیاستدان کی بات ہے تاکہ کوئی اس پر اعتراض بھی نہ کرسکے ورنہ امام حسن مجتبیٰ - کو زہر دلوانے والا کون تھا؟

یہی معاویہ ہی تو تھا، لہذا اگر جنگ ہوتی تو وہ امام حسن - کو اسیر کرتا اور رہبرانہیں عزت و احترام کے ساتھ آزاد کردیتا اور رہبر بعد میں امام کے خاص ساتھیوں کو شہید کردینے کے بعد خود امام کو بھی چپکے سے شہید کردیتا اور ان پر احسان بھی جتاتا اور خود امت کے درمیان نیک نام بھی ہوجاتا اسے فتح مکہ کے وقت جناب حسنین کے نانا نے ان کو جو آزاد کیا تھا اور وہ اس شرمندگی میں مبتلا تھا، اس شرمندگی سے بھی نجات مل جاتی اور امام (ع) کے ساتھ اس کا کوئی معاہدہ (بھ) نہ ہوتا جس کا خوف ہر وقت اس کے دل پر چھایا رہتا، کیونکہ معاہدہ کی خلاف ورزی کو عرب کے مشرکین بھی برامانتے تھے اور یہی معاہدہ ہی تو تھا کہ معاویہ نے حضرت امام حسن - کو شہید کرانے کے بعد ہی یزید کے لئے بیعت کے مطالبے کی جرات کی -

پس یہاں پر جنگ جاری رکھنا اور شکست کھانا، امام (ع) کی جیت نہ تھی بلکہ یہاں پر صلح کرنا اور وہ بھی مشروط صلح، یہی حضرت امام حسن - کی جیت تھا اور مقصد کی جیت، اسلام کی جیت اور اہل اسلام کی جیت امام حسن - کی صلح میں مضمر ہو گئی - کیونکہ صلح کاسب سے پہلا بندہ تھا کہ معاویہ کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کرے گا۔ یہاں تک حضرت امام حسن - کا مقصد پورا ہوچکا تھا اور اب اگر معاویہ کتاب خدا اور سنت رسول خدا پر عمل نہ کرتا تو معاویہ کی باطنی حقیقت اور عہد شکنی اور قرآن و سنت سے انحراف سب لوگوں کے سامنے آجاتا - اسی طرح سے صلح کے معاہدہ کے بقیہ شقوں نے نے بھی مسلمانوں کو ہرقسم کے شک و شبہ سے نکال دیا اور انہیں عملاً بتادیا کہ معاویہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ فقط اقتدار کے درپے ہے۔

لے کن امی شام نے اپنے آپ کو بے نقاب ہوتے دےکھ کر ایک نیا منصوبہ تیار کیا اور وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے بے غیرت بنادیا جائے اور انہیں اجتماعی اور سیاسی احساس ذمہ داری سے محروم کردیا جائے۔ انہیں حکومت اور سیاست کے مسائل سے لا تعلق کردیا جائے اور اس نے اس مقصد کے حصول کے لئے انتہائی ماکرانہ اور ماہرانہ نقشہ تیار کیا۔ اس نقشہ کے مطابق اس نے مخلص مومنین اور مسلمین کو قتل کروایا، جیلوں میں ڈالا یا پھڑ شہر بدر کردیا، ضعیف العقیدہ لوگوں کو مال و دولت یا حکومت و سیاست کے امور میں دلچسپی لینا نہیں ہے بلکہ انہیں اپنی روٹی اور کپڑے کی فکر کرنا چاہئے۔

معاویہ کے اسی کردار کی وجہ سے اہل کوفہ کی اکثریت، حق شناس اور حسین - شناس ضرور ہوگئی تھی اور انہیں بہت سارے شکوک و شبہات سے نجات بھی ملی، لے کن یہ الگ بات کہ وہ اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر کوئی قدم اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے اسی لئے فرزدق نے حضرت امام حسین - کے جواب میں عرض کیا: قلوبہم معک، سیوفہم علیک ”یعنی (انہیں آپ کی معرفت تو ہے، لے کن عمل میں وہ بنی امیہ کے ساتھ ہیں) اور یہی وجہ تھی کہ جناب حضرت مسلم کا ساتھ دینے والے مجاہد کو پر اگندہ کرنے کے لئے آنے والی ان کی ماؤں، بہنوں اور بیویوں کی بات بھی یہی تھی کہ حکومتی مسائل سے ہمارا کیا واسطہ؟

حکمرانوں کی سیاست ہمیشہ یہی رہی ہے کہ عوام کو سیاست سے دور رکھا جائے، قرآن مجید میں فرعون کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ”فاستخف قومہ فاطاعوہ“ یعنی (اس نے اپنی قوم کو ذلیل بنایا تب انہوں نے فرعون کی اطاعت کی) اور کیا وجہ ہے کہ آج مسلمان ایسے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر کے، غلامی کی زندگی سے نجات پا کر آزادی کے حصول کے لئے کوشاں نہیں ہیں؟ وجہ یہی ہے کہ حکمرانوں نے ان سے اعتماد بنفس چھین لیا ہے اور انہیں اپنا بندہ اور غلام بنالیا ہے؛ جیسا کہ مولا علی - ایسے ہی حکمرانوں کے ان کرتوتوں کے بارے میں فرماتے ہیں: ”فاتخذو عباد اللہ حَوَلًا“ یعنی (ان ظالم حکمرانوں نے خدا کے بندوں کو بندہ بنالیا ہے) بنی امیہ اس منحوس سیاست میں کامیاب ہوچکے تھے، انہوں نے مخلصین کو قتل عام کرکے پایابند سلاسل

بناکریا شہر بدر کر کے دنیا پرستوں کو مال و دولت و حکومت دے کر ،عوام الناس کو بے وقوف بنا کر ذلیل ،بے ضمیر اور مردہ ضمیربنا کر ، اسلامی مملکت کے سیاہ سفید پر قبضہ کر لیا تھا۔  
اب ان حالات میں عالم اسلام کی اس مشکل صورتحال کے حل کے لئے حضرت امام حسین - کے پاس فقط دو ہی راستے تھے:

(۱)۔ تبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کو بنی امیہ او ر حاکموں کے ناپاک عزائم سے باخبر کرتے ؛ تاکہ پوری امت اٹھے اور امام حسین - نے بھی یہی قدم اٹھایا بلکہ امام حسین سے قبل خود حضرت علی - نے اپنے خطبوں میں بنی امیہ کے خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا تھا۔ بلکہ حضور کی متعدد احادیث میں اس خاندان کے خطرات سے مسلمانوں کو خبر دار کر دیا گیا تھا لے کن اموی لابی کی مشیزی نے صدر اسلام ہی سے پیغام رسالت اور ولایت سے مسلمانوں کو با خبر ہونے نہیں دیا۔ بلکہ جعلی احادیث کے ذریعہ اور سنت پیغمبر کے نقل و انتقال پر پابندی لگا کر حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کیا ۔ اب بد قسمتی سے خود مولا امام حسین - کے زمانے میں معمولی تبلیغ کے ذریعے پیغام حق کو تمام مسلمانوں تک پہنچانا ممکن ہو چکا تھا۔  
اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ مولا امام حسین - نے دو مرتبہ اپنے خواص کو اپنا پیغام سنایا ۔ ایک تو صحرائی منیٰ میں حج کے دوران جہاں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے حکومت کے کارندے ناکار ہوجاتے ہیں اس موقعہ پر آپ نے ایک خطبہ کے ذریعہ حضرت علی - کی شان میں حضور کی احادیث سنائیں اور سامعین سے درخواست کی کہ وہ فضائل کو دوسروں تک پہنچادیں اور دوسرے خطبہ میں خواص کی آرام طلبی ،مصلحت پسندی ،سکونت اور بنی امیہ کے مظالم کو آپ نے بیان فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ کے ذریعے امت محمدی کی اصلاح کرنا ممکن ہو چکا تھا یعنی نہ پیغام پہنچانا ممکن رہا تھا اور جن تک پیغام پہنچ چکا تھا وہ بھی انتہائی مردہ ضمیر ہو چکے تھے چنانچہ حضرت امام حسین - کے ایک سفیر نے پھانسی پھندے سے بھی لوگوں کو پیغام حسینی سنایا لے کن کوء) قابل ذکر اثر دے کھنے میں نہ آیا اور امام حسین - نے جو قاصد بھیجے تھے انہیں یکے بعد دیگرے گرفتار کر کے شہید کر دیا گیا کیونکہ اگر چہ امت کے اندر بالعموم جہالت تھی لے کن شیعیان علی (ع) بے حقیقت سے واقف تھے یا عام مسلمان جو کہ محب اہل بیت (ع) اور دشمن بنی امیہ تھے وہ بھی حالات سے باخبر تھے لے کن احساس ذمہ داری کا نہ ہونا جب دنیا اور مردہ ضمیری نے انہیں چلتی پھر تی لاشیں بنادیا تھا۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی رگوں میں خون ڈال دیا جائے اور مردہ ضمیروں کو زندہ و بیدار کر دیا جائے اس کا م کے لئے اس کام کے لئے تبلیغ کافی نہ تھی بلکہ کسی زندہ اور بیدار کر دینے والے اقدام کی ضرورت تھی اور وہ اقدام خون کی بولی ہی ہوسکتا تھا اور فرزند رسول نے عزت و احترام کی زندگی کو خیر باد کہا اور رانا کے دیا رکو چھوڑ کر ،کربلا کے چٹیل میدان میں قدم رکھا اور پیاس کے ذریعے ،خون دے کر اور جگر گوشوں کے ٹکڑے اٹھا کر اور بہنوں کی چادرےں لٹا کر آپ نے ان مردہ ضمیر مسلمانوں کو زندہ کر دیا ، کچھ اس طرح کہ وہ لوگ جو زندہ امام (ع) کی فیوضات سے استفادہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے وہ ام کے مقدس خون کی اس قربانی سے بیدار ہو کر وارث حسین - کی اطاعت کریں اور اسلام کو بنی امیہ جیسے دشمنان اسلام سے بچائیں ۔ خون دنیا اور مظلومیت اگر صدائے حق کے ساتھ ہوتو ایسا اثر دکھاسکتا ہے اور اس نے ایسا اثر دکھایا بھی۔ لہذا انقلاب کر بلا خون کامحتاج تھا نہ صلح یا سکوت کا ؛ کیونکہ حضرت امام حسین - کے پاس صرف اپنی قیمتی جان تھی ،سیدانوں کی چادرےں تھیں اور جوانوں اور جانثاروں کی جوانیاں تھیں جنہیں آپ



نے راہ دین پر قربان کر دیا۔

لہذا امام حسن مجتبیٰ - کے دور میں امت کی ایک اہم مشکل شک و شبہ تھا جیسا کہ خوارچ اسی شک و شبہ کی پیداوار تھے ؛ جبکہ حضرت امام حسین - کے زمانہ کی ایک اہم یا سب سے زیادہ اہم بیماری ، امت کی مردہ ضمیری تھی اس نے مشکل کا حل صلح میں نہیں تھا بلکہ اس مشکل کا حل فقط خون دینے میں تھا ۔ چنانچہ صلح ایک طرف امام حسن - نے خون حسین ابن علی علیہما السلام کو رایگان جانے نہیں دیا کیونکہ آپ (ع) کی صلح نے بنی امیہ کے کریہہ چہرہ سے نقاب اٹھالیا تھا اور دوسری طرف خون حسینی نے صلح امام حسن - کا مقصد پورا کر دیا اور سن 61 ہجری میں نہ فقط امت کو بیدار کر دیا بیدار امت کا ایک دائمی سامان فراہم کر دیا ۔ اگر چہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے صلح اور جنگ کے امتیاز کی وجہ سے طور پر مذکورہ تین قسم فرق کے علاوہ اور بھی متعدد فرق بیان کئے جاسکتے ہیں لے کن یہاں ان کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے مناسب موقع پر بیان کیا جائے ۔

۴۔ چونکہ امام حسن - کا معاویہ کے ساتھ صلح نامہ کے ذریعہ معاہدہ ہو چکا تھا، لہذا امام حسین - نے اس معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوئے معاویہ سے تو جنگ نہ کی لے کن یزید کے ساتھ نہ صرف ایسا کوئی معاہدہ نہ تھا بلکہ اس کا اقتدار پر آنا خود معاہدہ کی ایک آشکار خلاف ورزی تھا، لہذا اس کا اقتدار پر آنا خود معاہدہ کی ایک آشکار خلاف ورزی تھا ، لہذا اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آپ میدان میں نکلے۔

۵۔ سقیفہ سے لے کر حضرت امام علی - کو ظاہری خلافت ملنے تک اقتدار پر آنے والے حکمرانوں نے ہر ممکن طریقے سے معاویہ کو مضبوط بنایا تھا اور خود معاویہ کی سیاست اور مکاری بھی نمایاں تھی اور اسے دین دین کو دین اور قرآن کو قرآن کے خلاف استعمال کرنے کا گر خوب سمجھ آتا تھا لے کن یزید کے پاس ایسی ذہانت نہ تھی۔

6۔ جس طرح کہ رہبر انقلاب اسلامی ایران بیان فرماتے ہیں امام حسین - کے عصر میں ، کربلا میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی تاریخ اسلام میں اس وقت تک کوئی مثال نہ تھی لے کن آئندہ کبھی بھی ایسا کوئی واقعہ پیش آسکتا تھا ۔ لہذا نبی اکرم سے لے کر حضرت امام حسن - تک ہر معصوم نے اپنے انداز میں ایک خاص اسوہ پیش کیا۔ لے کن حضرت امام حسین - پر لازم تھا کہ ابد تک کے لئے ایسا اسوہ پیش کریں کہ اگر کبھی دین خطرے میں پڑ جائے اور ایک سچے مسلمان کے پاس دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے خون و مظلومیت کے علاوہ اور کوئی اسلحہ نہ ہو تو پھر بھی وہ طاغوت سے ٹکرائے دین کی حفاظت سے دستبردار نہ ہو۔

۷۔ یزید نے تو حضرت امام حسین - سے بیعت مانگی تھی اور اس بیعت کے اسلام کی بقا اور دین کی سلامتی کے لئے منفی نتائج برآمد ہونا تھے۔ لہذا حضرت امام حسین - بیعت نہ کرسکتے تھے۔ اس کے برعکس ، جب معاویہ نے حضرت امام حسن - کو صلح کی شرائط پیش کیں تو صلح کا یہ مطالبہ اور یہ جنگ بندی مشروط

تھی اور حضرت امام حسن - نے تو صلح اور جنگ بندی کی یہ شرط رکھی کہم عاویہ کا لقب امیرالمومنین نہیں ہوگا حالانکہ لقب اسلامی حکومت کے سربراہ کے لئے ایک خاص لقب اور عنوان کی حیثیت رکھتا تھا پس معاویہ کا مطالبہ جنگ بندی تھا جبکہ یزید کا مطالبہ بیعت ،لہذا جنگ بندی تو اسلام اور مسلمین کے حق میں کی جاسکتی ہے لے کن بیعت نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ جنگ بندی میں حاکم کے اعمال اور کردار کی تائید نہیں ہوتی جبکہ بیعت میں حاکم کے تمام ناجائز اعمال کے بھی تصدیق و تائید ہوتی ہے ۔

۸۔ صلح امام حسن - کے وقت جو مسئلہ درپیش تھا وہ مسئلہ خلافت تھا خلافت کی و ہ شکل جو اس وقت موجود تھی اگر چہ ہمارے لئے اور ہمارے پیشواؤں کی نظر میں اشکال و اعتراض سے خالی نہ تھی لے کن پھر بھی یہ سلسلہ بعض اصلاحات کے ہمارہ قابل قبول ہوسکتا ہے ؛ لے کن یزید کی حکومت تو ملوکیت تھی جو کسی بھی شکل میں قابل قبول نہیںہوسکتی ۔

۹۔ امام حسن - کے زمانے میں عالم اسلام پر روم کے حملہ کا خطرہ موجود تھا ۔یہی وجہ یہے کہ آپ (ع) اور معاویہ کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پانے کی خبر سن کر روم کا لشکر واپس چلاگیا ؛ لے کن حضرت امام حسین - قیام کے وقت عالم اسلام کو ایسا کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔

۱۰۔ جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیاہے ،حضرت امام حسین - اور حضرت امام حسن - کے ساتھیوں اور اصحاب میں بھی بڑا فرق تھا ۔ حضرت امام حسین - کے ساتھی ایسے باوفا تھے کہ ان کی وفاشعاری نے قیام عاشور کی عظمت کو دوبالا کردیا اور یہی وجہ ہے کہ واقعہ کربلا ابد تک زندہ رہے گا۔ اس کے برعکس حضرت امام حسن مجتبیٰ - کے اصحاب کی حالت سب کو معلوم ہے ۔ آپ کے اصحاب میں اکثریت بک جانے والوں کی تھی اور وہ کسی طور بھی جنگ جاری رکھنے کے لئے آمادہ نہ تھے اور اگر آپ (ع) شہید ہوجاتے شاید مظلومیت امام حسن مجتبیٰ - کا ذکر کرنے والا بھی کوئی نہ ہوتا اور یوں آپ کا ہدف شہادت ناکام ہوجاتا کیونکہ شہادت کا مقصد تو ابد تک آنے والی نسلوں کا حق اور حقیقت کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے اور یہ پیغام رسانی اسی صورت میممکن ہے جب شہید کو زندہ رکھنے والا کوئی موجود ہو۔

۱۱۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ - کے دور میں معاویہ نے جناب عثمان کے خون کے مطالبے کا بہانے بناکر لوگوں کے جذبات اپنے حق میں موڑ لئے تھے اور اس نے آیہ قصاص نعرہ بناکر بغاوت کی تھی ۔ لے کن قیام کربلا میں حضرت امام حسین - نے قرآن و سنت کی آیات کے کی روشنی میں قیام کیا تھا اور یہاں یزید کے پاس بھی لوگوں کو بہکانے کا کوئی حربہ نہ تھا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ باطل حاکم کے خلاف قیام کرنا اور اسلامی حکومت و جود میں لانا ہر مسلمان پر واجب ہے ،خصوصاً معصوم امام پر؛ خواہ یزید کے زمانے کی طرح کے انتہائی خطرناک حالات رونما نہ بھی ہوئے ہوں۔ی ہ بات خود حضرت امام حسین - اور حضرت امام حسن- کے فرمودات سے صاف ظاہر ہے اور اسی طرح قرآن و سنت و سیرت معصومین % سے بھی یہ بات واضح ہے لے کن سوال یہ ہے کہ حضرت امام

حسن - نے صلح کیوں کی آپ نے قیام کیوں نہیں کیا-؟ تو آپ کے قیام نہ کرنے کی وجہ کچھ ایسی رکاوٹیں اور موانع تھے جن کی وجہ سے قیام کرنا اہل حق کے حق میں نہ تھا۔

چنانچہ نماز پڑھنا، حج پر جانا، روزہ رکھنا، واجب ہے لے کن کچھ مشکلات اور موانع کی وجہ سے یہ وجوب ساقط بھی ہو جاتا ہے تو پھر ان اعمال کے سرانجام دینے والے سے نہیں پوچھا جاتا ہے کہ کیوں تم نے ترک کیا یعنی اسلام کا حکم تو باطل اور ظالم کے خلاف قیام کرنا ہے، نہ کہ سکوت۔ بنا برائیں، امام حسن - کے جنگ نہ کرنے اور صلح کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، نہ کہ قیام عاشورہ کے لئے۔ لہذا صلح امام حسن مجتبیٰ - کو بہانا بنا کر ظالم حکمرانوں کے سامنے خاموش ارو لب بستہ لوگوں کو دلیل کی ضرورت ہے نہ کہ حضرت امام حسین - کی سیرت کو اپنا کر ایسے فاسق حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے مجاہدین کو۔ یہی وجہ ہے کہ خود امام حسن مجتبیٰ - واجب الاطاعت امام ہونے کے باوجود بھی صلح کی وجوہات اور دلائل بیان فرماتے تھے۔ اگر چہ ان دو ہستیوں کی سیرت سے ہمیں معلو ہو جاتا ہے کہ اسلام میں جنگ کے موقعہ پر جنگ ضرور ی ہے اور صلح کے موقعہ پر صلح لازم ہے؛ لے کن یہ سب کچھ وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہے۔ یعنی اسلام شناسی ارو زمان شناسی ہر قسم کی جنگ ارو صلح کی بنیادی شرط ہے بنا برائیں، نہ امام حسن - اور امام حسین - کے درمیان کوئی مزاج کا فرق ہے کہ نعوذ باللہ کہا جائے کہ ایک امام سخت مزاج تھے اور دوسرے نرم مزاج۔ یا بعض دشمنان اہل بیت کی طرح یہ کہا جائے کہ امام حسن - عثمانی تھے اور امام حسین - علوی عقیدہ رکھنے والے تھے، نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ ”الحسن و الحسين امامان قاما او قعداً“ لہذا نہ تو آپ دنوں کے نصب العین میں کوئی فرق تھا اور نہ ہی دونوں کے طریقہ کار میں یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسین بھی سن ۵۱ ہجری تک صلح کے حامی تھے جبکہ دوسری طرف قیام کربلا کے لئے خود حضرت امام حسن مجتبیٰ - نے بھی اپنے بیٹوں کو قربانی دینے کی وصیت کی تھی۔ پس اگر ان دو معصوم اماموں میں کوئی فرق موجود تھا تو وہ فرق حالات کا اور در اصل، یزید ارو معاویہ کا فرق تھا۔ اگر کوئی فرق پڑ گیا تھا تو امت میں فرق پڑ گیا تھا اور ان دو اماموں کے اصحاب کی وفاشعاری میں فرق پڑ گیا تھا۔

اب آئیے ہم آپ یہ عہد کریں کہ ہم حضرت امام حسین - کے اصحاب کی طرح وفاشعار بن جائیں کہ جن کے ساتھ شہادت پر حضرت امام حسین - بھی فخر محسوس کرتے ہیں اور اپنے اصحاب کی وفا کی تائید و تصدیق کرتے ہیں وہ اصحاب باوفا کہ جن کی زیارت میں ائمہ معصوم نے بھی ”یالیتنا کنا معکم“ (اے کاش! ہم بھی تمہارے ساتھ ہوتے) کے الفاظ بیان فرمائے اور خ دا نہ کرے ہماری مثال حضرت امام حسن - کے ان اصحاب کی سی ہو جو عہد شکن تھے اور امام کا ساتھ دینے کے لئے دل سے آمادہ نہ تھے۔